کامیاب نظم مملکت میں قیادت کے اصول: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ

PRINCIPLES OF LEADERSHIP FOR SUCCESSFUL STATE: A RESEARCH OVERVIEW IN THE LIGHT OF SEERAH (PBUH)

ہاجرہ بنت عزیز احمد *

ڈاکٹر سید غضنفر احمد **

Abstract:

In present era leadership of Muslim countries are more controversial. For leadership managing a state is tougher target. Muslim leaders have no noteworthy part in the world. There are many reasons behind this failure. But the core of all is lack of principles of leadership. Leadership has vital and most important role in a successful state. A leader is the one who lead people for the sake of state's objectives. Therefore, he/she must have the qualities by which individuals happily follow him and achieve set goals of state. The leader can only be successful when he set his principles and act accordingly those decided principles. Rules and regulation are the basic of all systems. Even if a small organization does not set their principle get fail. Setting principle and practicing them is the guarantee of success. Successful leaders known by their principles and never neglect their principles at all. Muhammad (peace be upon him) is an ideal and great leader in every aspect. Muhammad (peace be upon him) made neonate Medina a strong and organized state by his successful principles. This can help to lead the system of state successfully. Thus, Muslim leaders should adopt such principles and can run their countries successfully.

Keywords: leadership, principles, Seerah Tayyebahﷺ, successful state, Prophet Muhammad

تعارف:

نظم مملکت کی کامیابی میں اس ملک کے قوانین ،اس کی معیشت، خارجہ پالیسی، تعلیمی نظام اور قیادت کا کردار اہم عوامل ہیں۔اس میں مرکزیت اس ملک کی قیادت کو حاصل ہے۔ دور حاضر میں مسلم ممالک کے دیگر مسائل کے

*پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ مطالعہ ادیان عالم، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی۔binteaziz6@gmail.com

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی، کراچی۔drghazanfar@uok.edu.pk

ساتھ ایک اہم مسئلہ انتظامی لحاظ سے داخلہ اور خارجہ امور میں ناکامی کا سامنا ہے۔ مسلمان ممالک کا عالمی سطح پر کوئی قابل ذکر کردار سامنے نہیں ہے۔ جس کا دارومدار ممالک کی قیادت پر ہوتا ہے۔ قیادت کی بہتر کارکردگی سے کامیابی کا تعلق ہے۔

اس صورت حال میں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ ان تمام حالات اور ناکامی کا اصل سبب کیا ہے؟ حالات کا جائزہ لینے کے بعد اصل مسئلہ قیادت کے اوصاف اور نظم مملکت کے لیے طے شدہ اصولوں کا نہ ہونا، سامنے آتا ہے۔ قائد کے اعلی اوصاف قوانین، معیشت، معاملات، عدلیہ اور تعلیم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن محض اچھے اوصاف سے کوئی قیادت چاہے وہ مرکزی ہو یا صوبائی، کامیاب مملکت اس وقت تک نہیں بنا سکتی جب تک ان اوصاف کے ساتھ قیادت کے اصول متعین نہ ہوں۔ اصول وہ طے شدہ قوانین و معیارات ہوتے ہیں جن پر عمل درآمد لازم ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی لچک کی گنجائش نہیں رکھی جاتی۔

اس سے جڑا دوسرا سوال یہ ہے کہ نظم مملکت کے لیے وہ کون سے اصول ہونے چاہیے جن کو اختیار کر کے مسلمان ممالک عالمی سطح پر ابھر کر سامنے آسکیں۔ ان اصولوں کے لیے بہتر رہنمائی حضور اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات ہر شعبے کو محیط ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی ریاست کو متعین اصولوں کے تحت چلایا۔ ان اصولوں میں کبھی نرمی نہ آنے دی جس کا نتیجہ نکلا کہ ایک نئی مختصر سی ریاست دنیا کا مرکز بن گئی اور نصف دنیا پر مسلمانوں نے حکمرانی کی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے نظام حکمرانی میں قیادت کے لیے وہ رہنما اصول طے کر کے رہنمائی فرمادی ہے جن پر عمل درآمد کر کے مملکت کو داخلی اور خارجی سطح پر کامیاب کیا جا سکتا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں قیادت کے لیے اہم اصول سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں جاننے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مؤثر قیادت کے لیے رہنما اصول واضح ہو سکیں جن کی روشنی میں کامیاب ریاست کا حصول ممکن بنایا جا سکے۔

قیادت کی تعریف:

نظم مملکت کے اصولوں کو جاننے سے قبل قیادت کی تعریف کو متعین کرنا ضروری ہے۔ لفظ قیادت بنیادی طور پر ق،و،د سے ماخوذ ہے۔ لویس معلوف قیادت کے لغوی معنی لکھتے ہیں:

"قیدودۃ الدابۃ۔ مشیٰ امامھا اخذ بقیادھا یعنی چوپائے کے آگے چلنے والا، آگے سے چلانے والا۔ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ قیادۃ الجیش کان رئیسا علیھم۔ قیادت لشکر کا سردار ہوتا ہے۔ لفظ قائد اسی سے مشتق ہے۔ جس کا مصدر القدو ہے۔ بمعنی الخیل التی تقاد ولا ترکب"[1]۔ یعنی ایسا گھوڑا جس سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس پر سواری نہ کی جائے۔

ان لغات میں قیادت سے مراد سردار ہے جو اپنے لشکر کے آگے چلتا ہے۔ لوگ اس کی رہنمائی سے استفادہ کرتے ہیں۔ قیادت کا لفظ آگے چلنے، رہنمائی کرنے کے لیے آتا ہے۔ لہذا کسی تنظیم، گروہ یا مملکت یا امت کی رہنمائی کرنے والے کے لیے قائد کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحاً قیادت کی تعریف مختلف انداز سے کی گئی ہے۔ واجد بن سمیع قائد کی تعریف کرتے ہیں:

" قائد وہ شخصیت ہوتی ہے جو لوگوں کے لیے اپنی اعلیٰ ترین خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی ہر قسم کی رہنمائی کرے، اور انہیں منزل مقصود تک لے کر چلے۔ "[2]

یعنی یہ وہ کردار ہے جو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنی تمام تر خوبیوں کو استعمال کرتا ہے۔ امام ابو الحسن الماوردی (450-374ھ بمطابق ۹۷۴ء۔ مئی ۱۰۵۸ء) امامت کی تعریف میں مسلم قائد کی منزل مقصود کا بھی ذکر کرتے ہیں:

" الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ فی حراسہ الدین وسیاسۃ لدنیا۔ "[3]

(امامت نبی کی نیابت کے لیے ہے تاکہ امام دین اسلام کا تحفظ کرے اور دنیاوی معاملات کا نظام چلائے۔)

اس تعریف میں حفظ دین بھی شامل کیا گیا ہے۔ قائد امور دنیا کو چلانے کے لیے دین سے رہنمائی اور اس کی حفاظت کو ملحوظِ خاطر رکھے گا۔ انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز میں قیادت کو موثر کردار سے تعبیر کیا گیا ہے:

"Leadership is influencing the performance of group member towards the achievement of organizational goal through persuasion, example, direction control or oversight"[4]

(قیادت مؤثر کردار ہے جو اپنے ارکان کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ادارے کے مقاصد کے حصول میں خود مثال بن کر ضبط، نگرانی، تحریک اور دور اندیشی سے کام لیتا ہے۔)

قیادت وہ مؤثر کردار ہے جو مقاصد کا تعین کرتے ہوئے خود مثالی نمونہ بن کر اپنے زیر قیادت افراد کو ایک خاص سمت میں لے کر چلتا ہے۔ اس میں لوگوں کو لے کر چلنے کی، ان میں جذبہ ولگن پیدا کرنے اور مقاصد کے حصول کے تمام اوصاف ہوتے ہیں۔ وہ منظم مملکت کی رہنمائی اور منزل تک پہنچنے کے لیے راستے کا تعین کرتا ہے۔

قیادت کی اہمیت:

انسانی زندگی میں رہبری ورہنمائی اور قیادت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ انسان اپنی معاشرتی ضرورتوں کے لیے اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے سے مل کر رہتا ہے اور مختلف مواقع پر رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ انسان کی ان فطری

ضرورتوں کے پیش نظر دین فطرت میں دو افراد کے ہونے پر بھی ایک کو قائد بنا دینے کا حکم ہے۔ مسلمانوں کے لیے ایک شخص کو اجتماعی طور پر قائد مقرر کرنا واجب ہے۔ امیر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ''[5]

اے ایمان والوں! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حاکم) کی۔

حاکم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے مشروط کیا گیا ہے۔ حاکم اگر قوانین الٰہی سے روگردانی کرے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں دیگر انسانی حقوق کا آپ ﷺ نے تذکرہ فرمایا وہیں حاکم کی اطاعت کا بھی حکم دیا:

''عَنْ يَحْيَى بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَدَّتِي، تُحَدِّثُ، أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَهُوَ يَقُولُ: «وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا''[6]

یحیٰ بن معین سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی سے سنا، بیان فرماتی تھیں: انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: اور اگر تم پر ایک غلام کو بھی حاکم بنایا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرتا ہو تو اس کی بات سنو اور طاعت کرو۔

دین اسلام امیر کی اطاعت کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قرار دیتا ہے۔ اس تاکید اور اہمیت کے ساتھ قائد کے لیے بھی دین اسلام نے رہنمائی دی ہے۔ اس کے حدود و اختیارات کو متعین کیا ہے۔

منصب حکومت بھاری ذمہ داری:

اسلام میں قیادت کی جس قدر اہمیت بیان ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ منصب حکومت اسلام میں بھاری ذمہ داری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس سے دور رہنے اور اس کی طلب سے منع فرمایا۔ جس کو یہ منصب ملا اس کو بار بار یاددہانی کروائی۔ انسان کسی پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کو معاملات ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قیادت ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ جو اس کو بہتر انداز سے ادا نہ کرے، کسی معاملے میں خیانت برتے تو اس کے لیے وعید فرمائی:

''عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : أَتَيْنَا مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ نَعُودُهُ،فَدَخَلَ عَلَيْنَا عُبَيْدُ اللهِ ، فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ : أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّهِ ﷺ ، فَقَالَ :مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔''[7]

حسن سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم معقل بن یسارؓ کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئے، تو عبید اللہ بھی آ گئے، تو معقلؓ نے ان سے کہا: میں آپ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، پھر کہا: کوئی حاکم جب کسی مسلمانوں کی رعیت کا حاکم بنایا گیا اور اس حال میں مر گیا کہ وہ ان سے خیانت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔

قیادت اختیارات، قوت اور اقتدار کا حامل مقام ہے اسی قدر اس بھاری منصب کا بوجھ بھی ہے۔ یہ وعید قیادت کو خیر خواہی پر ابھارتی ہے۔ وہ خود کو مطلق العنان نہیں سمجھتا۔ بلکہ ہر وقت ہر لمحہ وہ اسی فکر میں ہوتا ہے کہ مملکت کی ذمہ داری کو بہتر سے بہتر طور پر ادا کرے۔ لہٰذا قیادت کے بار گراں کو احسن انداز سے ادا کرنے کے لیے اصولوں کا تعین کرنا ضروری ہے۔

قیادت کے رہنما اصول:

اصولوں کا تعین اور اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا انسان کو کمال کے درجے تک پہنچاتا ہے۔ ایک عام انسان بھی اصولوں کو طے کرتا ہے تو خود اپنی ذات اور معاشرے کے لیے مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ مسلم قیادت کے لیے اصولوں کے تعین کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ کیوں کہ قائد پورے نظم مملکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کی اصول پسندی مسلم امت کی کامیابی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ذمہ داری خصوصاً کسی مملکت کی سربراہی انتہائی اہم اور دین اسلام میں بار گراں ہے۔ اس ذمہ داری کو سنبھالنے اور نبھانے کے لیے قائد کے اصول و قوانین آسانی فراہم کرتے ہیں۔ قیادت کی ذمہ داری بہتر انداز سے ادا کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کے اصول متعین کر دیے ہیں۔ ان اصولوں میں تمام انسانیت کی بھلائی ہے۔ جو زبان، رنگ، نسل کی قید سے بالاتر ہیں۔ یہ اصول نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں نظر آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں قیادت کے مؤثر اقدامات اور اس کے طے شدہ اصولوں کی پاسداری سے متعلق سید گیلانی (متوفی: ۱۹۹۲) لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ تشریف لائے تو حالات کا تقاضا نہ تھا جو آپ ﷺ نے پورا کیا۔ آپ ﷺ نے حالات کو خود پیدا کیا۔ خود اپنے کام کے آدمی تیار کیے، خود ان آدمیوں سے مخصوص اصولوں کی علمبرداری کا کام لیا اور خود ہی تاریکی کے پردوں کو پھاڑ کر ان میں سے صبح انسانیت کو طلوع کیا۔ انہوں نے خود تاریخ کو بنایا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا۔ اس طرح حضور ﷺ دنیا کے وہ منفرد قائد ہیں جو دنیا کو اپنے رنگ میں ڈھالتے ہیں۔"[8]

قائد خود حالات کو خود پیدا کرے اس کے لیے اصول بنائے اور یہ اصول تمام انسانیت کے مفاد کے لیے قابل عمل

ہوں۔ وہ اصول صرف فلسفیانہ باتیں نہ ہوں جس پر عمل درآمد کرنا محال ہو۔ وہ ایسے اصول ہوں جس پر قائد بھی کاربند ہو۔ سید اسعد گیلانی رقمطراز ہیں:

"اس (قائد) نے جو اصول بھی پیش کیے ہوں وہ محض کسی فلسفی کا فلسفہ نہ ہوں بلکہ ان اصولوں پر اس نے خود بھی حرف بہ حرف عمل کر کے دکھایا ہو اس لیے محض اصول پیش کر دینے والا زیادہ سے زیادہ ایک متفکر تو ہو سکتا ہے لیکن ایک رہنما اور ہادی نہیں ہو سکتا"۔[9]

نبی کریم ﷺ نہایت نرم مزاج اور رحمدل تھے لیکن اپنے اصولوں میں کبھی مصالحت کا رویہ اختیار نہ کیا۔ قیادت کے لیے مصالحتی رویہ نقصان کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے اپنے اصولوں سے انحراف کیا ہو۔ حکمت انقلاب میں آپ ﷺ کے اس خاص طرز عمل کا ذکر مصنف کرتے ہیں:

"حضور ﷺ جس قدر نرم مزاج، خوش طبع، رحم دل، ہمدرد اور ہر انسان کے خیر خواہ حقیقی تھے اپنے دعوتی اصولوں کے بارے میں آپ ﷺ اسی قدر سخت اور ناقابل مصالحت بھی تھے۔ کوئی شخص آپ ﷺ کی نرم مزاجی سے یہ توقع نہ رکھ سکتا تھا کہ وہ انہیں کسی اصول میں معمولی لچک پیدا کرنے کے لیے آمادہ کر سکتا ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو حضور ﷺ کی پوری جدوجہد میں ہر طرف ہر جگہ ہیرے کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے"۔[10]

لہٰذا اصولوں کا تعین اور اس میں کسی قسم کی لچک نہ رکھی جائے۔ بنیادی طور پر سات اصول قائد کے لیے طے کرنا ضروری ہیں۔ ذیل کے سطور میں ان اصولوں کو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

ا۔ واضح نصب العین:

قائد کا پہلا اصول اپنے نصب العین کا تعین ہے۔ اس نصب العین کو شریعت مطہرہ نے از خود بیان کر دیا ہے۔ یہ نصب العین اللہ کے عطا کردہ دین اسلام کی حفاظت، اللہ کے بندوں میں اس کے احکامات و قوانین کا نفاذ ہے۔ تمام سرگرمیوں اور منصوبہ بندی میں مطمع نظر اس مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ مومنین کا یہ مقصد اللہ تعالی نے بیان فرمایا:

"ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّـٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ"۔[11]

یہ وہ لوگ ہیں جب ہم زمین میں انہیں اقتدار بخشتے ہیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔

اس آیت میں اسلامی ریاست کے خصوصی اہداف اور قیادت کا پہلا اصول بیان ہوا ہے۔ نظام الٰہی کا قیام قائد کا اہم اصول ہونا چاہیے تاکہ آیت میں مذکورہ اہداف بہتر طور سے حاصل ہو سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جب آپ ﷺ نے ہر کام پر اپنے نصب العین کو ترجیح دی۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت

سے قبل ہی مختلف قبائل کو دین کی دعوت دی۔ یہ سلسلہ ہجرت کے آخر تک جاری رہا۔ مولانا صفی الرحمن (جون ۱۹۴۳۔ دسمبر ۲۰۰۶ء) رقمطراز ہیں:

"نبی کریم ﷺ نبوت کے چوتھے سال سے حج کے دوران میں آنے والے قبائل کو دعوت دین دیتے، ان پر اسلام کو پیش کرتے۔ اور ہجرت کے آخری سال تک ہر سال یہ دعوت دیتے رہے۔ ان قبائل میں بنو عامر صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، نیلم، عبس، بنو نصر، بنو البکاء، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ شامل تھے۔[12]

مسلمان قائد کے لیے سب سے اہم وہ مقصد ہے جس کا وہ خود پیروکار اور علمبردار ہے۔ جس کی بنا پر وہ لوگوں کی نگرانی اور رہنمائی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (فروری ۱۹۰۸۔ دسمبر ۲۰۰۲ء) نبی کریم ﷺ کے نظام حکمرانی میں آپ ﷺ کا پہلا اصول تبلیغ دین بیان کرتے ہیں:

"سب سے پہلا اصول جو ہر حالت میں پیش نظر رہا وہ یہ تھا کہ جس مشن اور مقصد کو لے کر آپ ﷺ آئے تھے اس کی اشاعت ہو۔ اس غرض کے لیے ذاتی یا مالی منفعت اور خواہش انتقام کو نظر انداز کرنا بھی گوارا کیا جاتا تھا"۔[13]

یہ اصول آپ ﷺ کی پوری زندگی میں ترجیح اول تھا کہ ہر قسم کی پیشکش ٹھکرا دی۔ مشرکین مکہ نے ہر کوشش کر لی کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے نصب العین سے ہٹا دیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا حکم اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، میں ہر گز اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اس جدوجہد میں اپنی جان دے دوں۔"[14]

مدینہ میں ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اندرونی استحکام کے بعد مدینہ سے باہر حکمرانوں کو دعوتی خطوط بھیجے۔ ان خطوط کا ذکر تاریخ کی کتب میں مستقل ابواب کے ساتھ ملتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ عمل واضح کرتا ہے کہ ایک مسلمان قائد کا پہلا اصول دین الٰہی کا قیام ہے۔ اس میں مسلمان رہنمائے مملکت کے لیے یہ تعلیم ہے کہ اقتدار میں رہ کر اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کی سربلندی اس کا بنیادی ہدف ہو۔

۲۔ اہلیتِ منصب:

فرد واحد تنہا کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنے والے اس کے اصحاب و معاونین نہ ہوں۔ موجودہ زمانے میں کسی کام کی ابتداء کے لیے افراد کا انتخاب اور گروہ کی تیاری کے لیے ٹیم بلڈنگ (Team building) ہوتی ہے۔ نظم مملکت ایک بڑا کام ہے لہذا قائد اپنے معاونین کے طور پر افراد کار کا انتخاب کرتا ہے۔

آج کی قیادت کا کسی منصب پر فرد کے لیے اہلیت پر کوئی طے شدہ اصول نہیں بلکہ معیار جان پہچان اور دیگر معاشی اور معاشرتی مصلحت ہیں۔

دنیا کے عظیم قائد محمد ﷺ نے منصب کے لیے اہلیت کے اصول کو اپنایا اور اس میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ صحابہ کرام کو کسی ذمہ داری پر مقرر کرنے سے پہلے ان کی اہلیت جانچتے۔ اگر وہ پورا اترتے تو وہ ذمہ داری عطا فرماتے۔ قابلیت کے مطابق ذمہ داری نہ دی جائے یا نااہل افراد کو کوئی کام سونپ دیا جائے جس میں اس کام کے کرنے کی اہلیت نہ ہو تو اس سے نظام تباہی کی جانب جاتا ہے۔ اسلام نے کسی منصب پر تعیناتی کے لیے اہلیت کو مشروط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا''[15] (بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل افراد کے سپرد کرو)

اہلیت کے مطابق ذمہ داری میں غفلت برتنے والے کے لیے نبی کریم ﷺ نے وعید فرمائی ہے:

''عَادَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَقَالَ مَعْقِلٌ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ ﷺ، لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔''[16]

حضرت عبید اللہ بن زیادؓ، حضرت معقل بن یسارؓ کی عیادت کے لیے ان کے اس مرض میں گئے جس میں ان کی وفات ہوئی ۔ حضرت معقلؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی، اگر مجھے علم ہوتا کہ میں ابھی زندہ رہوں گا تو میں تمہیں یہ حدیث نہ سناتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کوئی شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی رعیت کا ذمہ دار بنایا وہ اس حال میں مرا کہ اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

عہدوں پر اہل افراد کا تقرر بھی امانت ہے۔ اگر حاکم اس کا خیال نہیں رکھتا اور کسی ایسے فرد کو کوئی منصب دیتا ہے جو نااہل ہو تو اس کا یہ فیصلہ خیانت میں شمار ہو گا۔ حدیث مبارکہ میں امانت بطور عہدہ ہے۔ اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَة، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ : كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ :إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ''۔[17]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع ہو جائے گی تو قیامت کا

انتظار کرو، پوچھا امانت کیسے ضائع ہو گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانتیں نا اہل افراد کے حوالے ہوں گی تو قیامت کا انتظار کرو۔

خیانت کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے متنبہ کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے خود صحابہ کرام کی اہلیت کے مطابق ان کو جانچا اور جہاں ضرورت ہوئی منع بھی فرمایا۔ غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری سونپی۔ دو نوجوان جب سامنے آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم جنگ کرنے کے قابل ہیں اس پر آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان مقابلہ کروایا۔ اہلیت جانچنے کے بعد غزوہ میں شرکت کی اجازت دی۔ فوج کی ترتیب میں نبی کریم ﷺ نے صلاحیت کے مطابق ذمہ داریوں کو تقسیم کیا۔ "جنرل کمان کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر عبدریؓ کو، میمنہ کا افسر حضرت زبیر بن عوامؓ کو اور میسرہ کا افسر حضرت مقداد بن اسودؓ کو بنایا یہ دونوں افسر شہسوار تھے"۔[18]

اہل اور موزوں تر فرد کا تقرر حکمران کے فرائض میں شامل ہے۔ لہذا قائد اپنے نظام حکمرانی میں اہلیت کے اصول کو بنیادی ترجیحات میں رکھے۔ اس پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرے

۳۔ شورائیت:

سربراہ مملکت کا مزاج شورائیت پر مبنی ہو تو ناکامی اور نقصان کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ خود بھی ہزیمت سے محفوظ رہتا ہے اور مملکت کو بھی محفوظ رکھتا ہے۔ شورائیت کی اس خوبی کو دیکھتے ہوئے اسلام نے خصوصی طور پر مومنین کی صفت بیان کی کہ وہ باہمی مشاورت سے اپنے معاملات طے کرتے ہیں: "وامر ھم شوریٰ بینھم"[19] (ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔)

شورائیت کو اسلامی حکومت میں مرکزیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر حکومت نامکمل ہوتی ہے۔ اسلام حاکم کے لیے اس اصول پر زور دیتا ہے۔ معاملات اور قوانین میں فرد واحد صرف اپنی مرضی نہیں چلاتا بلکہ دیگر افراد کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے مشورے کرنے کا حکم دیا۔ حالاں کہ وحی کا سلسلہ ہنوز جاری تھا اور مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف افراد کا اعتماد اور اس کی تعلیم مقصود تھی۔

حیات طیبہ ﷺ میں شورائیت کا مزاج مسجد سے میدان کارزار تک ہر جگہ نظر آتا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ اسلامی احکامات کا عملاً نفاذ شروع ہوا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے اس کے حل کے لیے مشورہ کیا۔

''ابْنَ عُمَرَ كَانَ ، يَقُولُ : كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا ، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ : بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ ، فَقَالَ عُمَرُ : أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ''.[20]

ابن عمرؓ فرماتے تھے: مسلمان جب مدینہ پہنچے تو وقت مقرر کر کے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس کے لیے اذان نہیں دی جاتی تھی۔ ایک دن اس بارے میں مشورہ ہوا۔ کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ایک گھنٹہ لے لیا جائے اور کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح نرسنگا بنالو، لیکن عمرؓ نے فرمایا کہ: کسی شخص کو کیوں نہ بھیج دیا جائے جو نماز کے لیے پکارا کرے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے اذان دو۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب مشرکین مکہ کے لشکر کی خبر پہنچی تو یہ بات یقینی ہو گئی تھی کہ معرکہ حق و باطل ہو گا، اس صورت حال میں آپ ﷺ نے مشورہ کیا، اس مجلس شوری کا ذکر مصنف کرتے ہیں:

''حالات کی اس اچانک اور پُرخطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس میں درپیش صورت حال کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور عام فوجیوں سے تبادلہ خیالات کیا۔''[21]

نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر قبیلہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ صحابی یہ خبر لے کر آیا کہ قریش نے نبی کریم ﷺ کے مقابلے کے لیے بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے اور وہ آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر تلے ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو ہر حال میں بیت اللہ سے روکیں گے۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے تن تنہا فیصلہ نہیں کیا بلکہ تمام صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ , أَتَرَوْنَ أَنْ أَمِيلَ إِلَى عِيَالِهِمْ وَذَرَارِيِّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَصُدُّونَا عَنْ الْبَيْتِ ؟ فَإِنْ يَأْتُونَا كَانَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَطَعَ عَيْنًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَإِلَّا تَرَكْنَاهُمْ مَحْرُوبِينَ , قَالَ أَبُو بَكْرٍ : يَا رَسُولَ اللَّهِ خَرَجْتَ عَامِدًا لِهَذَا الْبَيْتِ لَا تُرِيدُ قَتْلَ أَحَدٍ وَلَا حَرْبَ أَحَدٍ , فَتَوَجَّهْ لَهُ , فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ , قَالَ :امْضُوا عَلَى اسْمِ اللَّهِ۔''[22]

اے لوگو مجھے اس معاملے میں مشورہ دو۔ یہ لوگ جو ہمیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں کیا میں ان کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کروں؟ اللہ نے ہمارے مخبر کو ان سے محفوظ رکھا ہے، اگر وہ ہمارے مقابلے پر نہیں آتے تو ہم انہیں شکست خوردہ قوم سمجھ کر چھوڑ دیں گے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ تو صرف بیت اللہ کے عمرہ کے لیے نکلے ہیں۔ آپ کا ارادہ کسی سے جنگ اور قتل کا نہیں تھا۔ لہذا اسی جانب متوجہ رہیے۔ پھر جس نے

ہمیں روکا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: پھر اللہ کے نام کر چل پڑو۔

اس طرح قیادت کے اصول کو اپناتے ہوئے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد بیت اللہ کی جانب سفر کو جاری رکھا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کئی اہم مواقع پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا، غزوہ بدر، غزوہ خندق اور دیگر بہت سے واقعات میں شورائیت کا مزاج نظر آتا ہے۔ غزوہ خندق میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دشمن سے مقابلے کے لیے صحابہ کرام کو جمع کیا اور اس بات پر مشاورت کی کہ کس حکمت عملی کے تحت دشمن کو قابو کیا جائے مشاورت کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے خندق کھودی گئی۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ کی ریاست میں مختلف اصحاب سے مختلف امور میں مشورہ کیا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ عمل مسلم حکمرانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں مشاورت کے اصول کو اپنائے۔

۴۔ نظام احتساب:

مملکت میں بہتر نظم و نسق کے لیے محاسبے کا نظام مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان اپنے اعمال و افعال اور اپنی ذمہ داری پر تو رب ذوالجلال کے حضور جواب دہ ہے۔ ہر فرد جس کو کوئی ذمہ داری عطا ہوئی اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں:

''سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.''[23]

میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہو گا۔ امام نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ انسان اپنے گھر والوں پر نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ اور خادم اپنے سردار کے مال پر نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا۔

کسی فرد کے وہ اعمال و افعال جس سے اجتماعی نظام میں خرابی پیدا ہوتی ہو، افراد عامہ کو نقصان پہنچتا ہو اس کے لیے ہر فرد اس نظام کے آگے جواب دہ ہے، ہر فرد سے احتساب ہو گا۔ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے محاسبہ کا با قاعدہ نظام قائم کیا۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کسی فرد کو کوئی ذمہ داری عطا فرماتے، کہیں عامل مقرر کیا یا قاضی بنایا، یا کوئی اور منصب عطا فرماتے تو اس کا احتساب بھی کرتے اور مختلف طریقوں سے اس کی تحقیقات فرماتے۔ امام بخاریؒ نے با قاعدہ باب قائم

کیا" باب محاسبۃ الامام عمالہ "اس کے تحت واقعہ بیان کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں۔

" النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الْأُتَبِيَّةِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَاسَبَهُ ، قَالَ : هَذَا الَّذِي لَكُمْ وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ؟ ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَخَطَبَ النَّاسَ ، وَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللَّهُ ، فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ ، فَيَقُولُ : هَذَا لَكُمْ وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي ، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا ".[24]

نبی کریم ﷺ نے ابن الاتبیہ کو بنو سلیم کے صدقہ کی وصولی کے لیے عامل بنایا۔ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس (زکوۃ کی رقم لے کر) آئے اور نبی کریم ﷺ نے ان سے حساب مانگا تو انہوں نے کہا: یہ تو آپ لوگوں کا ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھے رہے، اگر تم سچے ہو تو وہاں بھی تمہارے پاس تحفہ آتا۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا، امابعد! میں کچھ لوگوں کو بعض ان کاموں کے لیے عامل بناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سونپے ہیں، پھر تم میں سے کوئی ایک آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ تحفہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو پھر کیوں نہ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا رہتا تاکہ وہیں اس کا ہدیہ پہنچ جاتا۔

محاسبے میں عام اور خاص کی تخصیص نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں مسجد نبوی تشریف لاکر خود کو محاسبے کے لیے پیش کیا۔ ہر وہ فرد جس نے قانون شکنی کی، کسی کا حق مارا یا ظلم کیا تو وہ عدالت کے سامنے جواب دہ تھا۔ خلیفہ وقت کا محاسبہ ایک عام فرد کی طرح ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت سلمان فارسیؓ نے ان کے دو چادروں پر اعتراض کیا۔ ایک خاتون نے مہر کی مقدار متعین کرنے پر حضرت عمرؓ کو ٹوکا۔ محاسبے کے اس مضبوط اصول سے متعلق مولانا مودودیؒ (ستمبر ۱۹۰۳۔ ستمبر ۱۹۷۹ء) لکھتے ہیں:

" خلیفہ صرف پارلیمنٹ کے سامنے ہی جواب دہ نہ تھا بلکہ پوری قوم کے سامنے اپنے ہر کام حتٰی کہ اپنی شخصی زندگی کے معاملات تک میں جواب دہ تھا۔"[25]

ذمہ داری کے بعد محاسبہ کا نظام نہ ہو یا کمزور ہو تو افراد غفلت برتنے لگتے ہیں۔ کاموں کا احتساب اور جواب دہی کا احساس ذمہ دارانہ طرز عمل پروان چڑھاتا ہے۔ نظم مملکت میں بہتر کارکردگی محاسبے کے نظام سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس اصول کو نظم مملکت کے لیے نظام کا حصہ بنانا لازمی ہے۔

۵۔ قانون کی بالادستی:

نظاموں کی کامیابی کا انحصار اس نظام میں قانونی بالادستی پر ہوتا ہے۔ جس طرح مختلف اعضاء مل کر ایک مکمل، تندرست و توانا انسان بناتے ہیں ایسے ہی مختلف اصولوں سے کسی نظام کی کامیابی ممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں قانون کی بالادستی زریں اصولوں میں سے تھا۔ آپ ﷺ نے قانون کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ اس میں معاشرتی مساوات، حقوق اور انصاف کی بروقت فراہمی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ کبھی خاندانی مصلحتیں، قرابت داریاں اور تعلقات آڑے نہ آئے۔ قائد کے لیے اپنی ملکیت میں اس بنیادی اصول پر سختی سے عمل درآمد کرنا چاہیے تاکہ کامیابی کے ساتھ شریعت مطہرہ کے قوانین پر عمل درآمد ہو۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قانون کی بالادستی میں حاکم وقت، نظم مملکت کا اعلیٰ سے ادنیٰ ہر فرد قانون کی گرفت میں یکساں شمار ہونے لگا۔ جب کہ اس سے قبل کا تصور یہ تھا کہ "بادشاہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا"۔ قانون سب کے لیے یکساں تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

"اسلام نے (King can do no wrong) بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کو مسترد کر دیا"۔[26]

لہٰذا مملکت کے سربراہ کے لیے یہ اہم اصول ہے کہ ذات پات، قرابت داریاں، جاہ و منصب کبھی کسی قانون شکنی کا باعث نہ بنے۔ اس کی نظر میں سزا کا تعلق نوعیت جرم سے ہو فرد سے نہیں۔ ریاست مدینہ میں قانون کی بالادستی کا یہ عالم تھا کہ سردار ہو یا غلام قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے تھے۔ فاطمہ بنت اسود کی چوری کا واقعہ اہم ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا:

''عَن عائشةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ- «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ قَالَ: ياايها الناس «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔''[27]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ مخزوم کی عورت نے چوری کی۔ اس واقعہ نے قریشیوں کو غمزدہ کر دیا تو انہوں نے کہا: اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کون سفارش کرے؟ پھر انہوں نے کہا: یہ کام رسول اللہ ﷺ کے پیارے اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں۔ حضرت اسامہؓ نے رسول ﷺ سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، خطبہ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی خاندانی شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ

دیتے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کر دیتے، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارکہ میں اور پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں قانون کی بالا دستی کا یہ عالم تھا کہ خلافت راشدہ میں امیر المومنین وہ شخص جس کی اطاعت لازم تھی۔ وہ بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا تھا۔ گورنمنٹ اور اپوزیشن کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ساری شوریٰ اس کی گورنمنٹ کے افراد تھے۔ کسی جماعت یا پارٹی کا تصور نہ تھا۔ مولانا مودودیؒ حکومت میں قانون کی بالا دستی کا بہترین نقشہ کھینچتے ہیں:

''وہ (قائد) پارلیمنٹ میں براہ راست خود شریک ہوتا تھا اور آپ ہی پارلیمنٹ کی صدارت بھی کرتا تھا۔ پھر وہ مباحثوں میں بھی پورا حصہ لیتا تھا اور اپنی حکومت کے بارے میں کاموں کی جواب دہی کرتا اور اپنا حساب آپ دیتا تھا''۔[28]

محض قوانین بنا دینا یا کسی خاص طبقے پر قوانین کو لاگو کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ قانون کے بنانے کے ساتھ چھوٹے اور بڑے پر قانون کی بالا دستی کامیابی کا اہم اصول ہے۔

۶۔ انصاف کی فراہمی:

اسلام سے قبل قبائلی دشمنی اور جنگ و جدال کے صدیوں پر محیط سلسلے کے سبب عرب میں مظلوم کی دادرسی اور انصاف کی فراہمی کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہر قبیلہ یا فرد جو طاقتور ہوتا کمزور پر حاوی رہتا، اس پر ظلم کرتا، حق تلفی کرتا۔ کوئی انصاف فراہم کرنے والا نہ تھا۔ بدلے کی آگ میں قبائل صدیوں سے خاندانی جھگڑوں میں گرفتار تھے اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں قبائلی دشمنی کے سلسلے کو صرف ایک اصول کے ذریعے جڑ سے ختم فرما دیا۔ آپ ﷺ نے انصاف کی فراہمی کا اصول عام کیا۔

نبی کریم ﷺ کو لوگوں کے درمیان انصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی۔

''وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ''۔ اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنے لگیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔[29]

اس آیت مبارکہ میں انصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ انصاف کے ذریعے ظلم و استحصال، جبر و تشدد ختم ہوتا ہے۔ تنازعات کا خاتمہ اور مظالم کا سدباب فروغ انصاف سے ممکن ہے۔ باہمی تنازعات اور مسائل کی شرح کم ہو جاتی ہے۔ نبی کرم ﷺ نے انصاف کے ذریعے مظلوم اور کمزور کی دادرسی کی۔ اپنے نظم حکمرانی میں حضور اکرم ﷺ

نے اس اصول پر سختی سے عمل کیا اور حکمران طبقے کے لیے اس زریں اصول کی ہدایت فرمائی۔ فروغِ انصاف میں آپ ﷺ نے مسلم غیر مسلم کا بھی فرق روا نہ رکھا۔ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کیا۔ جس کا نتیجہ تھا کہ غیر مسلم اقوام دین اسلام سے متاثر ہوتے، اس کی حقانیت کو تسلیم کرتے۔ مسلم امت کے قائدین کو اپنی قوم کی بقا اور استحکام کے لیے انصاف کے فروغ کو ممکن اور آسان بنانا چاہیے۔

۷۔ عدل:

اسلام سے قبل حق صرف اس کو ملتا جو طاقتور تھا۔ کمزور مظلوم ہو کر بھی حق کا مستحق نہیں ہوتا تھا۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان عدل و احسان کی فضا کو عام کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عدل کا حکم واضح الفاظ میں دیا:

وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعَۢا بَصِيرٗا[30]

(اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں اس کی اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سننے، دیکھنے والا ہے)

حیات طیبہ ﷺ میں اس حکم کی بجا آوری ہر لمحہ نظر آئی۔ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں عدل کا یہ عالم تھا کہ ایک ادنیٰ ترین شخص کی پناہ سب کی پناہ متصور ہونے لگی۔ غزوہ بدر کبری کے موقع پر جب میدان جنگ میں صفیں درست فرما رہے تھے تو اس دوران واقعہ پیش آیا جس کے متعلق مولانا صفی الرحمن رقمطراز ہیں:

"آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے آپ ﷺ صف سیدھی فرما رہے تھے کہ سواد بن غزیہ کے پیٹ پر، جو صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے، تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا، سواد! برابر ہو جاؤ۔ سواد نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے مجھے تکلیف پہنچادی بدلہ دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا، بدلہ لے لو۔"[31]

آپ ﷺ نے نظام عدل کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ اس اعلیٰ نظام عدل کے اصول کو آج کی قیادت اختیار کر لے تو ملک سے جرائم کی شرح کم ہو جائے گی۔ ایک صحت مند ماحول پنپنے لگے گا اور ظلم و زیادتی ختم ہو جائے گی۔

نتائج بحث:

انسانوں کے اجتماعی نظام میں ریاست کے حکمران کا کردار اہم ہے۔ قیادت نہ ہو تو مملکت کا نظام ہی نہ رہے۔ قائد کی اسلام میں جہاں اطاعت پر زور دیا گیا ہے وہیں اس پر بھی بہت بھاری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس کا احتساب بھی ذمہ داری کے بقدر سخت ہے۔ مسلمان قیادت نبی کریم ﷺ کے طے شدہ اصولوں کو اپنی مملکت میں اختیار کر لے اور

اس پر سختی سے عمل کرے تو بعید نہیں کہ دنیا میں بھی ایک کامیاب ملک کے طور پر سامنے آئے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو۔ چانچہ اس تحقیق میں سربراہِ مملکت کے لیے سیرت طیبہ ﷺ سے چند اصول اخذ کئے گئے ہیں۔

1. قیادت کے لیے یہ امر انتہائی اہم ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے نظم حکمرانی کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اقتدار میں دین کی سربلندی کو اپنا مقصد بنائے۔
2. افراد کے انتخاب میں اہلیت کو ہر جگہ مقدم رکھے اور نااہل افراد کو کسی قسم کی ذمہ داری تفویض نہ کرے۔
3. اپنے زیر دست ذمہ داران کا محاسبہ بغیر کسی سفارش، نرمی اور تعلقات کے کرے۔
4. سزاؤں اوراحتساب میں قانون کو مقدم رکھے۔ اس کے ساتھ عدل کو ہر سطح پر عام کرے۔
5. انصاف کی بروقت فراہمی مسائل کے حل کے لیے از حد ضروری ہے۔ فروغ انصاف کے لیے بہتر حکمت عملی بنائے اور اس میں کسی قسم کا تساہل نہ برتے۔

تحقیق طلب موضوعات:

اس تحقیقی مضمون میں سربراہِ مملکت کے لیے سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں رہنما اصولوں کو پیش کیا گیا ہے۔ درج ذیل عنوانات پر تحقیقی کام کو وسیع کیا جا سکتا ہے۔

1. قانون کی بالادستی کی اہمیت اور اس کے اجراء کے لیے اقدامات۔
2. اسلام میں اہلیت کے مطابق ذمہ داری کی تاکید اور معاشرے پر اس کے اثرات۔
3. نظم مملکت میں مجلس شوریٰ کا کردار اور اراکین شوریٰ کے انتخاب کا شریعت اسلامی میں معیار۔

حوالہ جات:

---

[1] لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم، بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، الطبعۃ التاسعۃ عشرۃ، ص:۲۶۰

[2] ابن تیمیۃ، امام، السیاسۃ الشرعیۃ حکمران بیوروکریسی اور عوام، باہتمام واجد بن سمیع، کراچی، دائرہ نور القرآن، صفر ۱۴۲۸، ص:۶

[3] الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، القاہرہ، دار الحدیث، ۲۰۰۶ء، ص:۱۵

[4] William A. Darity Jr. International encyclopedia of the social sciences, USA, Macmillan reference, 2nd edition, Vol. 4, page# 375.

[5] القرآن، سورۃ النساء:۵۹

[6] مسلم بن حجاج القشیری،، الجامع الصحیح، باب: وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ، حدیث:۴۷۵۸

7 ایضاً، باب: من استرعی رعیۃ فلم ینصح، حدیث:۷۱۵۱

8 ایضاً، ص:۴۵۸

9 ایضاً، ص:۴۶۱

10 ایضا، ص:۵۷۴

11 القرآن، سورۃ الحج:۴۱

12 مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، لاہور، مکتبۃ السلطانیہ، ص:۱۸۷

13 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، لاہور، نگارشات، ۲۰۱۴ء، ص:۱۹۲

14 خواجہ شمس الدین عظیمی، محمد رسول اللہ ﷺ، کراچی، الکتاب پبلی کیشنز، جولائی ۱۹۹۶، ج:۱، ص:۳۹

15 القرآن، سورۃ النساء:۵۸

16 مسلم، الجامع الصحیح، باب: فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر، حدیث:۴۷۲۹

17 بخاری، الجامع الصحیح، باب: رفع الامانۃ، حدیث: ۶۴۹۶

18 لشکر کی مکمل ترتیب کے لیے دیکھیے: مولانا صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ص:۲۸۰

19 القرآن، سورۃ الشوریٰ:۳۸

20 بخاری، الجامع الصحیح، باب: بدء الاذان، حدیث:۶۰۴

21 مولانا صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ص۲۸۴

22 بخاری، الجامع الصحیح، باب: غزوۃ الحدیبیۃ وقول اللہ تعالیٰ لقد رضی اللہ عن المومنین، حدیث:۴۱۷۸

23 ایضاً، باب: الجمعۃ فی القریٰ والمدن، حدیث:۸۹۳

24 ایضاً، باب: ھدایا العمال، حدیث:۷۱۹۷

25 سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، لاہور، اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، جون ۲۰۰۳، ص۔۳۶۸

26 محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص:۷۳

27 بخاری، الجامع الصحیح، باب: کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان، حدیث:۳۴۷۵

28 مودودی، اسلامی ریاست، ص:۳۶۷

29 القرآن، سورۃ المائدۃ:۴۲

30 القرآن، سورۃ النساء:۵۸

31 مولانا صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ص:۲۹۳